Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 1 (Jul-Sep 2023)
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Interpretation and Analysis of Surinder Parkash's Short Story "Ajnabi Kahani" in the Contemporary Era

سُریندر پرکاش کے افسانہ "اجنبی کہانی" کا تعبیر و تجزیہ: عصرِ حاضر میں

Published:
September 30, 2023

Dr. Nabeel Ahmad Nabeel
Associate Professor, Division of Islamic and Oriental Learning, University of Education, Lower Mall Campus, Lahore
drnabeelahmednabeel@gmail.com

Mahboob Ahmed
M.Phil. Urdu ,Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University Multan Email: mehboob54282@gmail.com

Fareeha Zaheer
M.Phil. Urdu Department of Urdu Bahauddin Zakariya Multan Email: fareehaz876@gmail.com

Abstract

The very title of the story is intriguing and gripping - a 'Strange Story'! On the surface, every story is strange for the reader as it gradually unfolds itself before the discerning reader. In this particular instance, the title of the story 'A Strange Story', bespeaks of the multilayered aspects that the story imbibes. The story revolves around the female protagonist named intriguingly 'Ayesha', a name generally associated with Muslims, but here it is

CC BY

the name of a lady associated with Parsi or Zoroastrian background. Why did the writer choose to use a Muslim-sounding name to depict a non-Muslim woman is the first strange aspect of the story? Did Surendra Prakash want to convey something other than a woman's story? There is definitely a story within a story. The one layer is of the appeal of the orient to the occidental mind. To Winston, Ayesha is not just a woman; she is more like an enigma whom his Western mind is dazzled by but cannot understand. That's why, despite being attracted to her, he gets rid of her, only to regret it towards the end.

Keywords: Surendra Prakash, Intriguing, Multilayered, Protagonist, Enigma, Occidental

میں نے "اجنبی کہانی" کا عنوان پڑھا اور مسکرا دیا۔ یہ مسکراہٹ میرے اندر سے ہی تھی اور میرے ہونٹ ایک پُھول کی طرح کِھل اُٹھے۔ میں نے سوچا کہ میں اِس سے آگے مزید نہیں بڑھ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ میں اِس عنوان سے پُر لطف ہوئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ در حقیقت لفظ "اجنبی" نے مجھے روکا اور لفظ "کہانی" نے مجھے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اِس عنوان کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اور اِس کا ترجمہ انگریزی میں کیسے کِیا جا سکتا ہے؟ میرے ذہن میں مختلف الفاظ چل رہے تھے اور میں نے اپنے ذہن کے کسی نہاں خانے میں موجود ذخیرۂ الفاظ میں سے کُچھ الفاظ تلاش کیے، جو تھے "اسٹرینج اسٹوری"۔ مزید آگے بڑھنے سے پیش تر میں نے سوچا کہ جب سُریندر پرکاش اپنی کہانی کے عنوان میں اِس طرح کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس کے پیچھے کُچھ نہ کُچھ نہایت پُر کشش ہو گا۔ ۱۔ اجنبی ۲۔ تخیلاتی ۳۔ جادوئی یا طِلسماتی اور کبھی کبھار یہ نہایت پُر تجسس اور سوچنے پر آمادہ کرنے والا ہوتا ہے یا اس کے عقب میں مختلف مفاہیم مخفی بھی ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھار اسے مفصل انداز میں

پڑھنا اَدق بھی ہو سکتا ہے۔ یہ کسی مسئلے یا اُس کے حل کو پیش کرنے کے لیے علامتی بھی ہو سکتا ہے۔ یہ انسان کی انفرادی صلاحیتوں کے لیے مہمیز کا کام کر کے اُس کی رُوح کو بھی چُھو سکتا ہے۔ یہ زندگی کے مفاہیم کو سمجھا کر قاری کو اگلے درجے پر بھی لے جا سکتا ہے یا اُسے کسی غلط فہمی کا بھی شکار کر سکتا ہے۔ یہ اُسے حیران اور پریشان بھی کر سکتا ہے۔ یہ پُر تجسس بھی ہو سکتا ہے اور انفرادی و اجتماعی سطح پر زندگی کے حقائق کو عیاں بھی کر سکتا ہے۔ یہ کسی قومی یا بین الاقوامی مقصد کے تحت بھی لکھا جا سکتا ہے۔ یہ خوف ناک بھی ہو سکتا ہے اور قاری کو خوف زدہ بھی کر سکتا ہے، وہ اِس لیے بھی کہ اس کہانی کا مصنف انسانی فطرت کی نہایت عمیق پرکھ اور فہم رکھتا ہے۔ یہ قاری کی صلاحیت کو مہمیز کرنے کے لیے کسی سماجی، سیاسی یا ذہنی و فکری مسئلے کو بھی ظاہر کر سکتا ہے۔ یہ کسی ماورائی یا تخیلاتی کہانی پر بھی مبنی ہو سکتا ہے جو ذہنی بِلا کے رکھ سکتی ہے، لیکن سُریندر پرکاش کے معاملے میں اِس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہو سکتا ہے کیوں کہ وہ خیالات سے بھرپور ایک فکشن رائٹر ہے اور اُسے ماضی، حال اور مستقبل پر بھی دسترس حاصل ہے۔ سُریندر پرکاش ایک معروف افسانہ نگار اور اسکرپٹ رائٹر تھے، اُن کا موضوعاتی مقصد کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ یہ افسانہ ہمیں ہنسا بھی سکتا ہے اور افسردہ بھی کر سکتا ہے اور مذکورہ افسانہ قاری کے نظریات میں تبدیلی بھی لا سکتا ہے۔ اِس افسانے کے اُسلوب میں نیاپَن اور روایت سے انحراف بھی ہو سکتا ہے۔ اِس افسانے کی کہانی آپ کی، میری یا کسی کی بھی ہو سکتی ہے۔

یہ افسانہ شعور و آگہی کے ذریعے اور بے مثال مکالمات کے وسیلے سے، حالات کو غیر متوقع طور پر عیاں کرنے والا ہے جو ذہن و فکر کو محض لُطف اندوز ہی نہیں کرنے والا بلکہ ذہنی و فکری عمل کو بھی اثر انداز کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ اب یہاں وِسٹن اور افسانے کی پروٹیگنسٹ عائشہ جو ایک پارسی بیک گراؤنڈ کی نوجوان خوب صورت لڑکی ہے، اُس کے اور وِسٹن کے درمیان مکالمت کے فطری بہاؤ کو ملاحظہ کیا سکتا ہے، جب وِسٹن مشرقِ وسطیٰ میں کسی مقام پر تیل کی پائپ لائن کا کام مکمل کر چکا ہے اور عائشہ کے ساتھ دھوکا دھڑی کر کے اور اُسے چکما دے کر بندر گاہ کی راہ کے بجائے ہَوائی جہاز کا ٹکٹ لے کر لندن پہنچ جاتا ہے، لندن جانے سے پہلے کے مکالموں میں مصنف کے کمالِ فن کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

CC BY

" عائشہ نے اپنی سیاہ گہری آنکھوں سے اُس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ "یہ ناممکن ہے۔" اُس نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا"میں بھی تمھارے ساتھ آؤں گی۔"

"تم میرے ساتھ نہیں آسکتیں۔" جان وسٹن نے کم زور احتجاج کیا۔

"مجھے آنا ہی چاہیے۔ تم انگریز ہو۔"

"یہی تو سب سے بڑی مشکل ہے۔"

"مجھے آنا ہی ہو گا۔" عائشہ نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ تمھیں معلوم ہے ہمارے لوگ انگریزوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تم چوروں کی طرح اُن کی زمین اور اُن کے پیسے پر قبضہ کر رہے ہو۔ میں نے تم سے محبت کر کے بہت گناہ کیا ہے، جب تک تم میرے ساتھ ہو۔ وہ مجھے ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کر سکتے، لیکن جیسے ہی تم جاؤ گے۔ مجھے اپنے گناہ کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ سچ مچ مار ڈالیں گے۔"

"وہ اِس کی ہمت نہیں کر سکتے!" وِسٹن نے اُونچی آواز میں کہا، لیکن وہ بہ خوبی جانتا تھا کہ یہ خطرناک لوگ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

"اُنھوں نے مجھے دھمکی دی ہے۔ مجھے تمھارے ساتھ آنا ہی پڑے گا۔ میں ہمیشہ تمھارے ساتھ رہوں گی۔ اُس وقت بھی جب تم یہ ملک چھوڑ کر اپنے وطن واپس جاؤ گے۔ وعدہ کرو کہ تم مجھے اپنے وطن لے جاؤ گے۔"

وِسٹن نے اثبات میں سر ہلایا اور کم زور آواز میں کہا: "ہاں۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"[1]

افسانے کی پروٹیگنسٹ پارسی بیک گراؤنڈ سے ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فکشن رائٹر نے عائشہ نام کیوں منتخب کیا ہے؟ اُس کے انتقام لینے کا عمل تو اُس کی اورینٹل فکر کو ظاہر کرتا ہے۔ اورینٹل ٹچ افسانے میں اِس لیے بھی ہے کہ اس کی پروٹیگنسٹ ایک اورینٹل خاتون ہے۔ اُس میں قبائلی عنصر موجود ہے جو اُس کی نفسیات میں رَچا بسا ہوا ہے اور کسی بھی طریقے سے وہ اپنے اندر سے اُس قبائلی عنصر کو ختم نہیں کر سکتی۔ وہ جو انتقام اور بدلہ لینے کا جو ایک تصور ہے، وہ عود کر آتا ہے، اگرچہ بعد میں وہ اُس سے سیکھتی بھی ہے۔ اس کہانی کی پرتیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ ایک پرت تو اوکسیڈینٹل اور اورینٹل کی صورت میں ہے کہ آپ اوکسیڈینٹل آئی یعنی مغربی آنکھ سے پورے مشرق کو دیکھ رہے ہیں، یہاں وِسٹن اورینٹل حالات و واقعات اور سماج کو مغربی زاویۂ نظر سے

CC BY

دیکھتا ہے اور نئی گُزر گاہوں اور ترقی کے نئے منطقوں کو وہ مغربی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ایک مقام پر وِسٹن نے جس انداز سے کہانی کی پروٹیگنسٹ کے ساتھ دھوکا دھڑی کی ہے اور اُس تضاد کو نمایاں کیا ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان رنگ و نسل اور احساسِ تفاخر کے حوالے سے ہے، مذکورہ صورتِ حال دلخراش ہونے کے ساتھ ساتھ مشرقی انسانوں کو ایک کموڈٹی کی سطح پر ظاہر کرتی ہے، لیکن یہ آئیڈیالوجی مغربی فکر و فلسفے کی پیدا کردہ ہے، اب جب وِسٹن واپس انگلینڈ جانے کا فیصلہ کر لیتا ہے اور عائشہ اپنے جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر رونا شروع کر دیتی ہے تو وِسٹن اُسے جُھوٹی تسلّی دیتا ہے مگر اصل صورتِ حال سے عائشہ کو آگاہ کیے بغیر پتلی گلی سے دُم دَبا کر ہَوائی جہاز کے ذریعے انگلینڈ کے لیے روانہ ہو جاتا ہے، اِس حوالے ایک اقتباس ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

"رومت۔۔رومت۔۔۔" اُس نے شکست خوردہ لہجہ میں کہا: "تم میرے ساتھ چلو گی۔۔۔ضرور۔"

اِس طرح جان وسٹن نے مسئلہ کچھ دیر کے لیے حل کر لیا اور عائشہ اُس کے ساتھ بندر گاہ چلی آئی، لیکن اب وہ تمام رات جاگا کرتا۔ عائشہ کو انگلینڈ لے جانا اُس کے لیے نا ممکن تھا اور اُسے یہیں ٹھیرنے پر راضی کرنا بھی نا ممکن تھا۔ کئی دن کی سوچ کے بعد آخر کار اُس نے فیصلہ کیا۔ اُس نے عائشہ کو بتایا کہ دو دن بعد وہ ایک جہاز سے روانہ ہو رہے ہیں اور جب وہ جہاز سے روانگی کی تیاریاں کر رہی تھی۔ اُس نے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خریدا اور چپکے سے انگلینڈ روانہ ہوا۔[2]

اب یہاں ایک اورینٹل سوچ ہے اور دوسری جانب اوکسیڈینٹل سوچ ہے، جس کی یہ علاقے پوری طرح تحسین نہیں کر سکتے۔ یہ چیزیں شاید ان کے مفاد میں نہیں ہیں یا شاید یہ عناصر ویسٹ (مغرب) کے مفاد میں ہی ہیں۔ ماضی بعید میں اہلِ مشرق کا یہ ایک زاویۂ نظر بہر حال رہا ہے۔ اِس افسانے کو انڈیا کے 'پَر سپیکٹیو' سیاق میں نہیں دیکھنا چاہیے، اِس افسانے کو مشرقِ وسطیٰ اور ایران کے 'پَر سپیکٹیو' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ایران کے ترقیاتی کام اپنی جگہ ٹھیک تھے، لیکن ایران کے دیہی علاقے کے لوگوں تک اُن ترقیاتی کاموں کے ثمرات پہنچے بھی نہیں اور نہ ہی دیہی علاقوں کے لوگوں نے اُن ترقیاتی کاموں کو پوری طرح لائقِ تحسین تصور ہی کیا تھا، اور پھر یہ کہ یہ ترقیاتی کام ہمارے لیے ہیں اور اِس سے ہمیں فائدہ ہو گا۔ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے یا اپنے دُنیا سے الگ تھلگ اور 'کٹ آف' ہونے کی وجہ سے یا کسی بھی وجہ سے یا ایک ریاست اور عوام کے درمیان جو کٹاؤ اور

CC BY

بُعد یا خلیج یا ایک فاصلہ ہے، ایک بات یہ بھی ہے کہ ریاست جو بھی کام کرے، اُسے نیگیٹیو (منفی) ہی لینا ہے، جیسے ہم لوگ ریاست کے ہر کام کو نیگیٹیو (منفی) ہی لیتے ہیں۔ ریاست اور عوام کے درمیان کئی ایک حوالوں سے تناؤ کی کیفیت ہے۔ اِس افسانے کو ہم دو حصوں میں منقسم کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ ایک مقامی اور ینٹل حالات و واقعات کے تناظر میں دیکھ سکتے ہیں کہ جہاں پر ایک برتر اور بدیسی مغربی قوت ہے اور ظاہر ہے کہ وہ لوگوں کو کیسے اس جانب لا سکتی ہے۔ اُن کا آپس میں ربط و تعامل بھی نہیں ہے اور ایک مقام پر اگر ربط و تعامل کی صورت پیدا بھی ہوتی ہے تو وہ چھوٹے کینوس پر ایک پکچر بناتی ہے اور مذکورہ پکچر بھی مشرق کی اجتماعی نفسیات کی عکاسی پر مبنی ہر گز نہیں ہے بلکہ ایک انفرادی تعلق ہے جو جذباتی نوعیت کا حامل ہے، عائشہ کے حوالے سے تو کم از کم یہی کہا جا سکتا ہے:

"اُس کے ذہن میں یہ لڑائی چل رہی تھی، لیکن عائشہ کو اِس کی فکر نہیں تھی۔ وہ دن بھر اُس کے اِرد گرد منڈلایا کرتی تھی، کبھی کبھی تو وہ اُس کے اِتنے قریب آجاتی کہ اُس کے جسم کی گرمی جان آسانی سے محسوس کر سکتا۔ اِنھی دنوں جان نے عائشہ کو بہت قریب سے دیکھا۔ وہ سچ مچ خوب صورت تھی۔ بے حد خوب صورت۔ اُس کا رنگ سانولا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی اور چمک دار تھیں اور جسم کے قوس بے حد دل کش تھے۔ وہ معمولی مزدور لڑکی کہاں تھی۔ وہ تو ایرانی ملکہ تھی۔ وِسٹن بہ غور کئی دن اُسے دیکھتا رہا اور آخر میں اُس نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ ایک شام عائشہ جب اُس کے خیمے میں کام کرنے آئی تو اس نے عائشہ کو بلا کر قریب کھینچ لیا اور پھر سب کچھ ہو گیا، لیکن وِسٹن کو اب کسی بات کی فکر نہیں تھی۔ وہ خوش تھا اور عائشہ بھی بہ ظاہر خوش تھی پھر فکر کس بات کی؟"[3]

اور افسانے کا دوسرا حصہ وہ ہے، جہاں انگلینڈ میں افسانے کی پروٹیگنسٹ پہنچ کر وِسٹن کی بیوی اور اُس کے بچوں سے ملتی ہے اور وہاں کی مغربی فضا، ماحول اور حالات و واقعات ہیں، ایک دوسری صورتِ حال ہے۔ جہاں وِسٹن کی اپنی زندگی اپنی مغربی بیوی مارتھا کے ساتھ ہے، جہاں دوسری عالمی جنگ ہے اور برٹش ایمپائر (سلطنت) مشکلات سے دوچار ہے اور جہاں جرمنی کے ساتھ انگلینڈ دوسری عالمی جنگ میں کم و بیش مضمحل ہونے کے قریب قریب ہے، لیکن وِسٹن اپنے ملک اور اپنی قوم اور نو آبادیاتی فکر کے ساتھ نہ صرف پوری

CC BY

طرح کھڑا ہے بلکہ متحرک اور فعال کردار کا بھی حامل ہے اور اگر کسی کو اپنی سوچ سے محو کر چکا ہے تو مشرقی زمین سے تعلق رکھنے والا ایک کردار عائشہ ہے، اب انگلینڈ نے نہ صرف مارتھا سے شادی کی زندگی آغاز کر دیا تھا بلکہ اُس نے اپنے بچوں اور فیملی کے ساتھ ڈارکنگ میں مستقل قیام پذیر ہونے کا بھی فیصلہ کر لیا تھا اور اب وہ اپنے کام اور نو آبادیاتی سوچ دونوں کے ساتھ کمٹڈ نظر آتا ہے:

وقت دَبے قدموں گزرتا رہا۔ جان وسٹن کی عمر اب چالیس سال کی ہو گئی تھی۔ دُور دُور کے ملکوں میں جا کر اُس نے بہت کام کیا تھا۔ اب اُسے اِس کام میں کوئی خاص دل چسپی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اِس کے علاوہ جن بڑی بڑی فرموں سے اُس کا تعلق تھا۔ اُنھوں نے اپنا کاروبار بدل دیا تھا۔ جان وسٹن نے سوچا کہ اب اُسے اپنی زندگی کا رخ بدل دینا چاہیئے۔ طالبِ علمی کے زمانے سے اُس کے دل میں ایک خواہش پنہاں تھی، کہ کسی اچھی سی فرم میں حصہ دار بن جائے اور زندگی کے باقی دن آرام سے گزار دے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ جان کی قابلیت سے لندن کے کاروباری حلقے اچھی طرح واقف تھے۔ کئی فرموں نے اُسے حصہ دار کا آفر دیا، جن میں سے ایک آفر کو اُس نے قبول کر لیا اور ساتھ ہی اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا کیوں کہ اب اس کا مستقبل محفوظ تھا۔

اِس واقعہ کے کچھ دن بعد اس نے اپنے پارٹنر کی بڑی لڑکی 'مارتھا' سے شادی کر لی۔ 'مارتھا' ایک قبول صورت لڑکی تھی۔ وہ نہ تو بہت جوان تھی، نہ بوڑھی، شادی کے وقت اس کی عمر تیس سال تھی۔ اُس کی عادتیں جان وسٹن سے ملتی جلتی تھیں۔ جان کی طرح اُس نے بھی اپنی زندگی بڑی خاموشی سے گزاری تھی۔ بہر حال شادی ہوئی اور دونوں نے سر جوڑ کر فیصلہ کیا کہ شہر ڈارکنگ مستقل سُکونت کے لیے بہتر رہے گا۔ شادی کے کوئی ایک سال بعد پہلا بچہ پیدا ہوا۔ جان کو بڑی مایوسی ہوئی جب اُسے پتا چلا کہ اُس کے لڑکی ہوئی ہے، لیکن دو سال بعد قسمت جب پھر اُس پر مہربان ہوئی تو وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ اب کی بار اُسے لڑکا ہوا تھا۔ لڑکے کی پیدائش کے وقت سے ہی اُس نے منصوبے بنانا شروع کیے کہ وہ کون سے اسکول جائے گا اور کیا بنے گا۔[4]

افسانے میں ایک نئی جہت اُس وقت سامنے آتی ہے، جب عائشہ دوسری عالمی جنگ کے زمانے میں انگلینڈ پہنچ جاتی ہے، وہ نہ صرف انگلینڈ پہنچ جاتی ہے بلکہ وہاں ریڈ کراس میں خدمات بھی انجام دینا شروع کر دیتی ہے اور اِس صورت میں جب مغربی معاشرے کو جنگ کے زمانے میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے تو مغربی سماج

CC BY

عائشہ جیسے کرداروں کو قُبول بھی کر لیتا ہے اور اُن کی خدمات سے مستفید بھی ہوتا ہے اور قُبولیت کی کوئی حقیقی شکل ہو تو وہاں وِسٹن جیسے کردار دھوکا دھڑی سے کام لیتے ہیں اور اپنے وطن واپس مراجعت کر لیتے ہیں مگر اکیلے ہی، یہ سوچتے ہوئے کہ وہ عائشہ کو اپنے ہمراہ انگلینڈ نہیں لے جا سکتے اور اپنی واپسی کے موقع پر مقامی لوگوں کو اہلِ مشرق کے متعلق جو کہانیاں سُناتے ہیں، وہ کہانیاں انتہائی بھیانک اور خوف ناک ہیں۔ اب یہاں عائشہ جب وِسٹن کے گھر پہنچ جاتی ہے، اُس کی بنیادی سوچ تو اپنی پہلی محبت تک رسائی ہے، لیکن وہیں اُس کی سوچ ایک اور رُخ پر تبدیلی ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اب یہاں ایک اقتباس حیرت اور تجسس کی ملی جُلی صورتِ حال کو آئینہ کرتا ہے، جب وہ وِسٹن کے گھر ڈارکنگ میں پہنچ جاتی ہے اور عائشہ پر یہ کُھلتا ہے کہ وِسٹن شادی کر چکا ہے اور وہ عائشہ کو بُھلا کر اپنی دُنیا میں مگن ہے۔ اِس موقع پر عائشہ اور مارتھا کے درمیان مکالمے نہایت عمدہ ہیں اور مصنف کی باریک بینی کا منہ بولتا ثبوت بھی ہیں اور یہ بھی کہ مصنف مشرق اور مغرب کے مابین صورتِ حال سے بھی واقف ہے اور دونوں خطوں کے درمیان ذہنی و فکری فاصلے سے بھی بہ خوبی آگاہ ہے:

چناں چہ ملاقاتی سے ملنے کا کام اُس نے ملازمہ پر چھوڑ دیا اور آنکھیں بند کر لیں، لیکن ایک مختصر سا وقفہ بھی نہ گزرا تھا کہ ملازمہ نے دروازے پر دستک دی۔

"اندر آجاؤ۔" اُس نے بہ مشکل تمام آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو تکلیف دی۔" ملازمہ نے معذرت کے لہجے میں کہا: "ایک عورت آئی ہے۔ مسٹر وِسٹن سے ملنا چاہتی ہے۔ واپس جانے کا نام ہی نہیں لیتی۔" ملازمہ کی آواز میں اب ہلکا سا غصہ شامل تھا۔

"عورت؟" مارتھا نے تیز لہجہ میں سوال کیا۔

ملازمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "جی ہاں عورت ہے، لیکن وہ یہاں کی نہیں معلوم ہوتی۔ اُس کا رنگ تو کالا ہے" ملازمہ نے لفظ کالا پر بہ طورِ خاص زور دیتے ہوئے کہا۔

CC BY

"اوہ" مارتھا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ اُس نے پھر ملازمہ سے پوچھا۔ "تمھارا مطلب ہے ہندوستانی یا ایسے ہی کچھ۔۔۔"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔" ملازمہ نے جواب دیا۔ "لیکن ایک بات یقینی ہے۔ وہ مسٹر وِسٹن سے ہر حال میں ملنا چاہتی ہے۔ یا خدا!۔ وہ نہیں کا لفظ تو سننا ہی نہیں چاہتی۔"

مارتھا نے ایک سرد آہ بھری اور بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم اُس سے کہو۔ میں آرہی ہوں۔"

ملازمہ کے جانے کے بعد اُس نے اپنا ریڈ کراس کا لباس دُرست کیا۔ بالوں کو جمایا اور زینہ طے کرتی نیچے چلی آئی۔ مارتھا کے کمرے میں داخل ہوتے ہی عورت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے بھی ریڈ کراس کا لباس پہن رکھا تھا۔ مارتھا نے بہ غور اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کا رنگ سانولا ضرور تھا، لیکن چہرے کے نقوش سچ مچ بے حد دل کش تھے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ عورت اُس کے شوہر سے چاہتی کیا ہے۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے شوہر سے ملنا چاہتی ہیں۔" مارتھا نے کچھ سوچ کر گفتگو کی ابتدا کی۔

"آپ مسزِ وسٹن ہیں؟" عورت نے اُس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ وہ انگریزی کافی روانی سے بولتی تھی۔ ہاں لہجہ بالکل ہندوستانیوں سے ملتا تھا۔ "جی ہاں مجھے مسٹر وِسٹن سے ملنا ہے۔" [5]

وہاں افسانے کی پروٹیگنسٹ کو قُبولیت حاصل ہے، وہ ریڈ کراس کے ذریعے وہاں جنگ سے متاثرہ لوگوں کے لیے اپنی خدمات انجام دے رہی ہے اور اُسے مغربی معاشرہ قُبول بھی کرتا ہے، اِس افسانے کی تیسری پَرت وہی ہے جو ایک عورت کے انتقام کی صورت میں کہانی کا حصہ ہے۔ عورت کا جو بیٹریل کا غصہ اور احساس ہے کہ مجھ سے دھوکہ دھڑی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی عورت دھوکے کو برداشت تو نہیں کرتی! وہ وِسٹن کے بیٹے اور دیگر افرادِ خانہ کو اور وِسٹن کی بیوی کو کوڑھ کا مریض بناتی ہے، لیکن مصنف نے صورتِ حال کے ذریعے تقدیر کی جبریت کو بھی مخفی نہیں رکھا، جب وہ عورت جانے کے لیے تیّار تھی اور دروازے تک پہنچ چکی تھی تو وہیں فِلپ زخمی ہو کر داخل ہوتا اور عائشہ اُس کا بھوسہ لیتی ہے اور اُس کے ذریعے پوری وِسٹن فیملی کو کوڑھ میں مبتلا

OPEN ACCESS

کرکے ایک عجیب و غریب طریقے سے انتقام لیتی ہے، فی الاصل وہ انتقام کے بجائے یہ سب کُچھ اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے کرتی ہے، لیکن تقدیر کو کُچھ اور ہی منظور ہوتا ہے:

عورت جب دروازے تک چلی گئی۔ مارتھا نے پھر گفتگو شروع کر دی۔

"تو آپ بھی ریڈ کراس میں کام کرتی ہیں؟"

"ہاں" عائشہ نے جواب دیا: "میں کافی دنوں سے نرس کا کام کر رہی ہوں۔ جنگ کے شروع ہونے سے بھی پہلے سے"، مارتھا کے ہونٹوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ""اوہ میں نے تو باقاعدہ نرس کی ٹریننگ حاصل نہیں کی ہے۔ بس یوں ہی کام کر لیا کرتی ہوں۔"

"لیکن معلوم تو ہوتا ہے کہ آپ کافی محنت کرتی ہیں۔" عائشہ نے جواب دیا۔

سامنے کے دروازے پر جا کر دونوں کھڑی ہو گئیں۔ مارتھا سوچ رہی تھی کہ اِس عجیب و غریب عورت سے ہاتھ ملائے یا نہیں۔ عائشہ اگر اُسی لمحے واپس چلی جاتی۔ تو شاید اِس کہانی کا انجام اِتنا دردناک نہ ہوتا مگر بدنصیب مارتھا کی قسمت کو یہ منظور نہیں تھا!

رُخصتی بات چیت چل ہی رہی تھی کہ مارتھا کا بڑا بیٹا فلپ روتا چلّاتا چلا آیا۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور دائیں گال پر ایک چوڑا زخم تھا، جس سے خون ٹپک رہا تھا۔ ایک اجنبی عورت کو ماں کے پاس کھڑا دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے چُپ ہو گیا اور پھر سسکتے سسکتے سارا قصہ کہہ سنایا۔ وہ کھیل رہا تھا کہ اچانک پیر پھسل گیا اور گال ایک تیز پتھر پر جا پڑا۔ زخم کافی بڑا تھا اور اُس میں سے خون ابھی تک تیزی سے بہہ رہا تھا۔

"تمھارا بیٹا ہے؟" اچانک عائشہ نے تیز لہجے میں سختی سے پوچھا۔

"ہاں" مارتھا نے دِھیرے سے جواب دیا۔

"بالکل اپنے باپ کے جیسا ہے۔"

مارتھا کے حیرت کی انتہا نہ رہی۔ "تم میرے شوہر کو جانتی ہو؟"

"عمّارہ میں مسٹر وِسٹن کو کون نہیں جانتا۔"

CC BY

اور اِس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وہ مار تھا کے ذہن میں ہمیشہ کے لیے ایک بھیانک خواب بن کر رہ گیا۔ عائشہ نے فلپ کو ماں کی گود سے چھین لیا اور اُسے اپنی بانہوں میں جکڑتے ہوئے رِستے زخم پر ایک لمبا بوسہ دیا۔ بہ ظاہر تو یہ ایک بوسہ تھا، لیکن مار تھا کو کچھ ایسا معلوم ہوا۔ جیسے کوئی سانپ اپنے دشمن کے جسم میں زہر انڈیل رہا ہو!

فلپ کی سسکیاں ایک لمحے کے لیے تھم گئیں۔ پھر اُس نے دوبارہ چیخنا شروع کر دیا۔ اب اُس کی آواز میں ڈر اور خوف زیادہ شامل تھا۔ مار تھا نے آگے بڑھ کر بیٹے کو اپنی گود میں لے لیا اور شعلہ باز نگاہوں سے عائشہ کو دیکھتی ہوئی چِلّائی۔

"تم نے کیا سوچ کر ایسا کیا؟ جاؤ۔ ابھی جاؤ۔ میری نظروں کے سامنے سے اِسی وقت دُور ہو جاؤ۔"

لیکن عائشہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ اب تو اُس کے چہرے پر خوشی بھی ناچ رہی تھی۔[6]

لیکن آخرِ کار افسانے کی پروٹیگنسٹ جس کا نام عائشہ ہے، وِسٹن اور اُس کی فیملی کے ساتھ ہی فلپائن میں کوڑھ کے مریضوں کی بستی میں رہتی ہے، وہ وِسٹن کو چھوڑ نہیں سکتی کیوں کہ اُس کے پاس کہیں اور جانے کا ذریعہ ہی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ عورت کا جو پہلا پیار اُسے وہ نہیں چھوڑتی۔ وہ اُس سے جان نہیں چُھڑا سکتی۔ وہ وِسٹن کے پاس ہی رہنا چاہتی ہے۔ وہ بہر طور اور ہر حال میں اور ہر قیمت پر اُس کے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ اُس کے ساتھ ہے بھی اور نہیں بھی ہے اور یہ ایک لحاظ سے 'ایسٹ' اور 'ویسٹ' کا بھی ہے کہ ساتھ ساتھ بھی ہیں اور نہیں بھی ہیں۔ کُرۂ ارض پر مشرق اور مغرب ایک دوسرے کے ساتھ موجود ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ ایک بہاؤ میں چل رہے ہیں، لیکن ایک دوسرے کے متقابل ندی کے دو کناروں کی طرح تو ہیں مگر ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ہیں۔ وہ ایک ساتھ نہیں ہیں کیوں کہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد اور عورت مختلف خطوں سے ہیں کہ پروٹیگنسٹ مشرق سے ہے اور وِسٹن مغرب سے ہے، اِس طرح دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ دو طرح سے الگ الگ ہیں، وہی فرق جو مشرق اور مغرب کے مابین ہے۔ جیسے رَڈیارڈ کِپلنگ کی نظم کا ایک ٹکڑا ہے:

"ایسٹ" ایسٹ ہے اور "ویسٹ" ویسٹ ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل نہیں سکتے۔

CC BY

یہ ندی دو کنارے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ موجود بھی ہیں اور ایک وقت کے بہاؤ میں چل بھی رہے ہیں، لیکن ایک دوسرے کے ساتھ مِل نہیں سکتے۔ یہ ان کی منزلِ مقصود ہے کہ ایک دوسرے کے متقابل چل تو رہے ہیں، لیکن ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط نہیں ہو سکتا۔ ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہو سکتے۔ وہ اِس لیے کہ 'ایسٹ' ایسٹ ہے اور 'ویسٹ' ویسٹ ہے۔ اِس حوالے سے دیکھیں تو وہ امتیاز ہمیں نظر آتا ہے کہ وِسٹن کسی بھی موقع پر اپنی بیوی مارتھا اور اپنی فیملی کو چھوڑ کر عائشہ کے ساتھ نہیں جانا چاہتا، یہاں تک کہ وِسٹن کی فیملی کوڑھ کے مرض میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وِسٹن کو اپنے گزشتہ کے عمل پر تھوڑا بہت پچھتاوا تو ہوتا ہے، لیکن وہ بھر بھی عائشہ کے ساتھ مربوط و منسلک نہیں ہوتا۔ یہی وہ امتیاز ہے، جہاں پر اورینٹل اور اوکسیڈینٹل کی یا وائٹ اور نان وائٹ نسل کی آپس میں جو ایک دوسرے سے ہمیشہ سے جو دُوری اور بُعد ہے۔ اُس کی جانب مصنف اشارہ کرتا ہے۔ اب یہاں مشرق اور مغرب میں جو فاصلہ ہے، اس حوالے دو اقتباس ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں جو اہلِ مغرب کے ذہن و فکر کی اہلِ مشرق کے متعلق عکاسی کرتے ہیں، وِسٹن جب واپس انگلینڈ پہنچتا ہے تو اپنے دوستوں کو اہلِ مشرق کے متعلق کیا کیا کہانیاں گھڑ کر سُناتا ہے اور اہلِ مشرق کے متعلق ایک منفی فضا بناتا ہے:

لندن پہنچنے کے کچھ دن بعد جب وہ اپنے کلب گیا۔ تو وہاں موجود سبھی لوگوں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہوئیں۔ عائشہ اب اُس کے لیے وہ ناخوش گوار خواب بن چکی تھی، جسے بُھلا دینا ہی اچھا ہوتا ہے!

فرصت کے اوقات میں جان وِسٹن اپنے دوستوں کو اِرد گرد جمع کیے اپنے سفر کے عجیب و غریب تجربے پوری تفصیل سے بیان کیا کرتا۔ وہ اُنھیں بتاتا کہ مشرقی ممالک کی زندگی کتنی عجیب ہوتی ہے۔ اُن لوگوں پر تو بھروسہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ نہ جانے کب کیا کر بیٹھیں۔ اِن ممالک میں زندگی ہمیشہ ہتھیلی پر لیے پھرنا پڑتا ہے۔[7]

ایک اور موقع پر وِسٹن نے عائشہ کے متعلق ایک اور نوعیت کی حامل حکمتِ عملی تیّار کی تھی، لیکن ایک عورت اپنے پہلے پیار کو نفسیاتی طور پر نہیں بُھولتی۔ مارتھا سے جب عائشہ کی ملاقات ہوتی ہے تو مارتھا سب کچھ بھانپ جاتی ہے، لیکن وِسٹن صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ ہی نہیں کر پاتا۔ وِسٹن مشرقی عورتوں کے متعلق ایک

CC BY

بات کا اظہار اپنے الگ انداز سے کرنے جا رہا ہوتا ہے، لیکن وقت صورتِ حال دونوں اُس کے ساتھ ایک الگ نوعیت کا حامل کھیل کھیلتے ہیں۔ اِس ضمن میں ایک اقتباس توجہ کا متقاضی ہے:

دوپہر کے کھانے کے بعد جان وسٹن پھر کام پر روانہ ہو گیا۔ حکومت کی جانب سے ٹرین میں اُس کے لیے سیٹ رِزَرو کی گئی تھی۔ اپنی جگہ پر بیٹھ کر وہ راستہ بھر عائشہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ اب عائشہ ایسی بُری عورت تو ہے نہیں۔ جب اُسے معلوم ہو گیا کہ اُس نے شادی کر لی ہے۔ اُس کے پانچ بچے ہیں۔ بیوی ہے تو وہ خود ہی خاموش ہو جائے گی۔ مشرقی عورتوں میں یہی تو خصوصیت ہے۔ آخر میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اِن ملکوں میں گزارا ہے۔ مجھے معلوم ہے یہ عورتیں کیا کچھ برداشت نہیں کر لیتیں۔

سارا راستہ وہ یہی سوچتا رہا۔ حتیٰ کہ سفر کے خاتمے پر جب وہ ٹرین سے اُترا تو اُس کا ذہن پھر ایک بار پر سکون تھا، اُس نے سوچا کہ جنگ ختم ہو جائے تو ایک بار عائشہ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے گا اور وہ دونوں مارتھا کے ساتھ بیٹھ کر خوب باتیں کریں گے۔ عمّارہ کی باتیں۔ تیل کے پائپ لائن کے زمانے کی باتیں![8]

'اجنبی کہانی' ایک ایسے افسانے کا عنوان ہے جس میں مارتھا اور عائشہ کی صورت میں بھی اور مغرب اور مشرق کے حوالے سے بھی دو الگ الگ خطوں کی الگ الگ صورتِ حال ایک دوسرے پر مرورِ ایّام کے ساتھ کُھلتی ہے اور پھر یہ کہ ہر کہانی ہی 'اسٹرینج' ہوتی ہے۔ ایک قاری کے لیے تو کہانی 'اجنبی' ہوتی ہی ہے۔ جیسے جیسے کوئی اجنبی کُھلتا ہے، اُسی طریقے سے کہانی بھی اپنے قاری پر دِھیرے دِھیرے کُھلنا شروع ہوتی ہے اور اگر کوئی بھی افسانہ پہلی دو تین سطروں یا پہلے ہی پیراف گراف میں اپنے آپ کو 'رَویل' کر دے تو وہ تو کرافٹ ہی نہ ہُوا۔ اُس میں تو فنی چابکدستی ہی نہ ہوئی، اُس میں تو کوئی لُطف و انبساط کی آرٹ کی کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ ہر افسانہ کئی ایک لحاظ سے قاری کے لیے اجنبی ہوتا ہے۔ جیسے جیسے وہ اُس کہانی کو پڑھتا جاتا ہے، اُسے جانتا جاتا ہے، اُس پر غور کرتا جاتا ہے، وہ اجنبی یا اسٹرینجر نہیں رہتی۔ اُس میں موجود مفاہیم قاری پر کُھلتے جاتے ہیں۔ اُس کی مختلف جہتیں اور مختلف پہلو قاری پر آشکار ہوتے جاتے ہیں، لیکن زیرِ نظر کہانی میں ایک لحاظ سے کہ افسانہ نگار نے پہلے ہی فوکس کر دیا ہے کہ اُس کی پروٹیگنسٹ ایک عورت ہے اور عورت کی جو نفسیات ہے۔ آخر میں افسانے کا اختتام بھی اِسی پوائنٹ پر وہ کرتا ہے کہ عورت کی نفسیات کو کون سمجھا ہے!

CC BY

اِس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر جارج ساوانے عائشہ کے اِس عجیب طرزِ عمل کو نفسیات کی روشنی میں معنی پہنانے کی کوشش بھی کی ہے اور وہ اِس میں پوری طرح کام یاب ہوئے ہیں، لیکن اُن تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے آخر میں مَیں صرف اِتنا کہوں گا۔ عورت کو آج تک کس نے سمجھا ہے۔۔۔![9]

عورت کی جو نفسیات ہے، وہ اُس کی اپنی نفسیات ہے، خواہ وہ عورت مشرق کی ہو! یا مغرب کی یا دُنیا جہان کے کسی بھی خطے کی وہ عورت ہو! اُس کے بعض نفسیاتی معاملات مشترکہ ہوتے ہیں۔ اُس نے عائشہ کی نفسیات کے متقابل مارتھا کی نفسیات کو بھی پیش کیا ہے، لیکن جس مقام پر مارتھا افسانے کی پروٹیگنسٹ عائشہ کو جانتی ہے تو وہاں مارتھا ایک ماں ہے، ایک بیوی ہے، مارتھا ایک مغربی روایتی عورت ہے، اُس کے سارے رُوپ نظر آتے ہیں۔ اب یہاں یہ بات نہیں ہے کہ وہ ایک بُری عورت ہے۔ وہ ایک عورت ہے اور وہ اپنی اِقلیم کا دفاع کرتی ہے۔ وہ اپنے میاں اور اپنی فیملی کا دفاع کر رہی ہے، وہ اپنی اولاد کا دفاع کر رہی ہے، وہ اپنے گھر کا دفاع کر رہی ہے، وہ اپنے علاقے کا دفاع کر رہی ہے اُس کا جب عائشہ سے ٹاکرا ہوتا ہے تو وہ کئی ایک حوالوں سے اپنے مغرب اور مغربی روایات اور صورتِ حال کا دفاع کر رہی ہوتی ہے۔ وہ وہاں پر اپنے علاقے اور اپنی اِقلیم کا دفاع کر رہی ہے، بالکل ایسے ہی جیسی شیرنی اپنے علاقے کو اور اپنے بچوں کا دفاع کرتی ہے۔ اینیمل اِنسٹنکٹ ایک عورت کی کیوں کہ وہ جو شیر صاحب ہیں، وہ تو کوئی خاص کام نہیں کرتے۔ شیرنی ہی اپنے شکار کے حوالے سے بھی مستعد اور فعال ہوتی ہے۔ یہاں پر مغربی عورت اپنی اِقلیم اور اپنے تمام تر لوازمات و معاملات کا دفاع کرتی ہے اور دوسری طرف بھی ایک عورت ہے جو ہزاروں میل سفر کر کے آئی، لیکن چوں کہ دونوں عورتیں ہی ہیں، ایک اپنی ٹیریٹری کو ڈِیفینڈ کر رہی ہے اور دوسری عورت ہزاروں مِیل کا سفر طے کر کے آئی ہے۔ بنیادی طور پر وہ 'آؤٹ آف لَو' ، وہ اپنی پہلی محبت کی متلاشی بھی ہے اور اُس نے ایک پروسٹیٹیوٹ کے طور پر جو کلفتیں اُٹھائی ہیں، وہ بھی اُس کی زندگی کی ایک سیاہ، بھیانک اور خوف ناک پکچر ہے۔ اُس نے محض ایک بندے (وِسٹن) کی وجہ سے سفر کیا ہے اور مصائب کو جھیلا ہے اور خوف ناک مسائل کا سامنا کیا ہے، جس سے پیراڈوکسکلی وہ نفرت بھی کرتی ہے اور اُس سے وہ محبت بھی کرتی ہے۔ اب یہ بڑی عجیب و غریب چیز ہے کہ یہ کیا ہے؟ کیا ہم اِسے ایک عورت کے پَرسپیکٹیو سے ہی دیکھیں کہ ایک عورت، ایک مرد سے محبت کرتی ہے، خواہ وہ وائٹ ہے یا نان

OPEN ACCESS
CC BY

وائٹ ہے، کسی سے علاقے سے تعلق رکھتا ہے، وہ اُس کو بُھول نہیں سکتی اور وہ اُس کے لیے ہزاروں میل کا سفر کر کے آگئی ہے۔ اُس پر سپیکٹیو سے دیکھیں یا ہم اورینٹل کی اوکسیڈینٹل کے لیے تڑپ کو یا اُس کی طرف رُجوع کو دیکھیں، ہم عائشہ کو صرف ایک عورت عائشہ کے طور پر دیکھیں یا عائشہ کو ایک مشرقی عورت کے طور دیکھیں! اُس کو اورینٹل پَر سپیکٹیو میں دیکھیں! یا اورینٹل کسی حوالے سے اوکسینڈینٹل کے ساتھ ملنا چاہتا ہے؟ اُس کے ساتھ 'ایٹ پاور' ہونا چاہتا ہے۔ یہ بھی ایک زبردست بات ہو سکتی ہے کہ کس پَر سپیکٹیو سے اِن سارے عناصر و عوامل کو لیا جائے۔ اس افسانے کو اگر محض ایک عورت کے پَر سپیکٹیو سے دیکھتے ہیں تو وہ تو اپنی جگہ ٹھیک ہے، لیکن اِس کہانی سیکنڈری اہمیت یا ثانوی اہمیت وہ مشرق اور مغرب کا ملاپ اور ایک دوسرے سے دُور ہونا اور ایک دوسرے کے متوازی و متقابل چلنا بھی اہمیت سے خالی نہیں ہے۔

کہانی کے آغاز میں جو ڈاکٹر جارج ساوا کا کردار ہے، کیا وہ حقیقت سے تعلق رکھتا ہے؟ کیا وہ کردار تاریخ کے کسی ورق پر موجود تھا یا وہ مصنف کے تخیل کی پیداوار ہے؟ یا وہ کسی شخص کا فِکشنل اکاؤنٹ ہے؟ اُس کی تھمیٹیکلی کیا اہمیت بنتی ہے؟ ڈاکٹر جارج ساوا برطانوی سرجن اور پرولیفک رائٹر تھا، جس کا اصل وطن روس ہی تھا۔ ڈاکٹر جارج ساوا ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوا تھا اور اُس نے برطانیہ میں ۱۹۹۶ء میں انتقال کیا تھا۔ اب کہانی کا جو چلار ہے، اُس میں ڈاکٹر جارج ساوا اِس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اُس کے ذریعے کہانی آگے بڑھتی ہے اور اُس کی مختلف شکلیں قاری کے سامنے آتی ہیں۔ ڈاکٹر جارج ساوا کون ہے؟ ظاہر ہے کہ ایک روسی ہے اور رَشیئن علاقہ جو ہے، وہ یُوریشیا کا علاقہ ہے اور وہ ایشیا اور یورپ کے سنگم پر واقع ہے، جہاں یوروپین کلچر بھی ہے اور حاوی بھی ہے اور مذہب بھی مسیحیت یعنی کرسچینیٹی ہے۔ کرسچینیٹی ایک رُوپ رشیئن اور تھوڈوکس ہے، لیکن جو روسی علاقہ ہے، اُس کم و بیش ساٹھ فیصدی علاقہ جو ہے، وہ ایشیا پر مشتمل ہے اور وسطی ایشیا اور روس کا وہ علاقہ جو چائنہ کے ساتھ لگتا ہے، روسی بندر گاہ 'وَلَڈی واسٹوک' چائنہ کے ساتھ جا لگتی ہے۔ یہ خاصا بڑا علاقہ ہے جو حاوی نظر آتا ہے۔ اب یہ دیکھنا پڑے گا کہ ڈاکٹر جارج ساوا کیا واقعی کوئی جیتا جاگتا کردار تھا یا یہ ایک تخیلاتی کردار ہے؟ کیا یہ ایک امیجنری کردار ہے؟ اور اگر امیجنری کردار ہے تو موڈل کس پر کیا گیا ہے؟ اس کردار کو کس جیتے جاگتے کردار پر بیس کیا گیا ہے؟ اگر کیا گیا ہے۔

CC BY

اِسی طرح جو میل پروٹیگنسٹ ہے، وہ بھی تو کئی ایک ملکوں کی خاک چھان کے انگلینڈ پہنچتا ہے۔ کہانی کی اصل پروٹیگنسٹ تو ایک عورت عائشہ ہی ہے، لیکن یہاں میل پروٹیگنسٹ کی بات ہے کہ وہ متعدد ممالک کی خاک چھاننے کے بعد برطانیہ پہنچتا ہے۔ اُس کا میل کاؤنٹر تو وِسٹن ہی ہے۔ میل کردار نے پروٹیگنسٹ کے ساتھ وہی کیا جو اُس کی سرشت میں تھا کہ عورت سے فائدہ اُٹھایا اور پھر دُم دَبا کے بھاگ گیا۔ انسانی تاریخ میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اُس کو بڑا کامل بندہ سمجھا جاتا جو عورت کو دغا دے کر بھاگ جائے۔ یہ تو خاص طور سے مرد کی ذہنیت ہے۔ سولجرز اور ایکسپلوررز اخلاقی حوالے سے اچھے لوگ نہیں ہوتے۔ اُن میں اکثر پَرلے درجے کے بدقماش اور دھوکے باز اور رذیل لوگ ہوتے ہیں، لیکن جو موڈرن ویسٹرن ایکسپلوررز رہے ہیں، وہ تو اپنی اپنی حکومتوں کے ویسٹ کے سٹُوجِرز رہے ہیں۔ ویسٹ کے جاسوس رہے ہیں، جب مغرب نے ایفریقہ دریافت کیا تھا، وہ اس لیے کے اس کے پیچھے حکومتوں اور کارپوریشنز کو جو فائدے حاصل ہونے تھے، اُن فائدوں کے لیے اتنے کشٹ کاٹے گئے تھے۔ اِس افسانے کی کرافٹ مین شِپ نہایت عمدہ ہے، مصنف نے ایک بھی لفظ ضائع نہیں کیا۔ افسانے کے آغاز میں افسانہ نگار نے وِسٹن کے متعلق بتایا ہے کہ وہ کون ہے؟ وِسٹن یہاں پر کیوں آیا ہے؟ وِسٹن کیا ہے؟ اور وہ بنیادی طور پر کس کام کے ساتھ انسلاک رکھتا ہے؟ اور پھر یہ کہ وہ ایک مقام اور ایک جگہ پر لمبے عرصے کے لیے قیام پذیر نہیں رہتا اور ایک مقام پر لمبے عرصے کے لیے کام بھی نہیں کرتا۔ وِسٹن میں 'سینس آف بِلونگنگ' تو سِرے سے ہی نہیں ہے۔ کئی ایک لحاظ سے وہ پہلے ہی صف بندی کر لیتا ہے کہ جب اُس کو دھوکہ دیتا ہے تو پھر اُس کے بعد دُم دَبا کر بھاگنا کیسے ہے؟ اور پھر یہ کہ وہ دھوکا دھڑی سے کام لے گا اور اس کے لیے بھی وہ پہلے سے ہی سب کچھ طے کر لیتا ہے۔ دوسری پُر لطف بات یہ کہ مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ کس مخصوص علاقے میں کون سی پائپ لائن بِچھ رہی ہے۔ امکان اغلب ہے کہ پاکستان اور ایران کے درمیانی حصے میں پائپ لائن بِچھ رہی ہے یا پھر ایران کا کوئی مخصوص علاقہ ہے، جہاں پر پائپ لائن بِچھائی جا رہی ہے۔ مصنف نے اُس علاقے کا امیجنری نام عمارہ رکھا ہوا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کہانی 'انڈین اِنٹینسو' نہیں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے انڈیا سے باہر بھی وقت گُزارا ہے؟ یا نہیں اور اگر کسی دوسرے ملک میں رہے ہیں تو کتنا عرصہ اور وہاں پر اِن کے مشاغل اور کام کاج کیا رہے؟

CC BY

عائشہ کے کردار کو ہم تو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ ہے جب وہ مشرق میں ہے اور وِسٹن کے ساتھ اُس کی شیفتگی کا دور ہے یار کھیل کا اُس ایک رُوپ ہے اور پھر اُس کا دوسرا رُوپ ہے جب وہ انگلینڈ میں ہے، وہاں وہ محض ایک عورت نہیں ہے، وہ ایک بہت زبردست ایک مشرقی عورت ہے اور وہ اورینٹل کچ جو ہے، اور کاؤنٹر نیریٹر یا جو کاؤنٹر اٹیک ہے یا یُوٹرن ہے۔ مغرب کی گاڑی گُزر رہی ہے اور اُس نے شِست باندھ کر نشانا لگایا ہے اور مغرب کی اُس گاڑی کو اچانک روک دیا ہے۔ تیسرے موقع پر پھر مصنف مداخل کرتا ہے اور عورت کی اصل نفسیات کو سامنے لاتا ہے کہ اتنا سب کچھ ہونے کے باوُجود کیا وہ انتقام لینے آئی! اُسے سادہ انتقام نہیں کہا جا سکتا۔ وہ اُس عورت کی بہر حال اپنے محبوب کے ساتھ ملنے کی اَرج ہے، جس بھی صورت میں وہ کر سکتی ہے، اُس کے قریب رہنے کی وہ کوشش کرتی ہے۔ اورینٹل کا اوکسیڈینٹل کے ساتھ جو ایک رشتہ ہے، وہ بھلے مغربی اُس کو چھوڑ کر آ جائے، وِسٹن کا اپنے علاقے میں پلٹنا اور وہاں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قیام پذیر ہو جانا۔ کیا ہے؟ وہ افسانے کے قاری سے پوسٹ کولونیئل صورتِ حال کے وسیلے فہم اور عمیق انداز سے مطالعے اور تعبیر و تدقیق کا متقاضی ہے۔ وِسٹن کولونیل ازم کی کسی نہ کسی پَرت کے ساتھ ایک لحاظ سے جُڑا ہوا تھا، اب اُس نے مشرق کو خیر باد کہہ دیا ہے، اور وہ اپنے علاقے میں مستقل واپسی کر کے بیٹھا ہوا ہے، ڈارکنگ جو علاقہ ہے، وہ بھی دیکھنے والا ہے کہ وہ انگلینڈ کا کون سا ایریا ہے؟ اور اس مخصوص علاقے کا مصنف نے ذکر کیوں کیا ہے؟ وِسٹن کی مارتھا کے ساتھ سیٹلمنٹ کے لیے وہ اس خطے کا ہی کیوں انتخاب کرتا ہے؟ اُس کی کہانی اور تاریخ کیا ہے؟ اور پھر کوڑھ کی بیماری کی کیا تاریخ رہی ہے؟ یہ ایک مختلف فکر اور طرز کا حامل افسانہ ہے۔ سُریندر پرکاش کی متعدد کہانیوں میں انڈین اساطیری عناصر و عوامل بہت واضح ہیں، جیسے سُرنگ، چھوڑا ہُوا شہر، کالی دُرگا، اور شکاری والی کہانی وغیرہ۔ سُریندر پرکاش کے زیرِ نظر افسانہ "اجنبی کہانی" میں کوئی اساطیری کچ نہیں ہے۔ یہ نفسیات کا بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ دو عورتوں کی نفسیات کو دیکھا گیا ہے جن کا تعلق دو الگ الگ خطوں سے ہے، لیکن ہیں عورتیں اور دونوں کی نفسیات کیسے اور کس انداز کی حامل ہے؟ اور پھر یہ کہ مارتھا اُس عورت کو مکمل طور پر 'اَنڈرسٹینڈ' کر جاتی ہے کیوں کہ وہ عورت ہے۔ وِسٹن پوری طرح سے عائشہ کو بعد میں بھی سمجھ نہیں پاتا کہ وہ کیوں آئی ہے؟ اور وہ پچھتاتا بھی ہے تو بس واجبی سا رِیگریٹ ہے۔ کوئی خاص اُس میں شدّت اور عمق نہیں ہے،

CC BY

لیکن وہ عورت پھر بھی اُس کے ساتھ کیوں لگتی ہے؟ اُس کے ساتھ ہی رہتی ہے، اُس کے بچوں کے ساتھ ہی رہتی ہے یا اُس کی فیملی کے ساتھ کیوں رہتی ہے؟ تو وہاں پر عائشہ کی وِسٹن کے ساتھ محبت ہے۔ وہ وِسٹن کو بہر حال اپنی محبت اور اپنی نفسیات سے باہر نہیں کر پائی۔ یہ بھی عورت کی نفسیات ہے کہ وہ اپنا پہلا پیار، پہلی محبت نہیں بُھولتی۔ پہلے حوالے سے عورت اپنے آپ کو نہیں بُھولتی۔ سُریندر پرکاش نے ایک توزیرِ نظر افسانے میں عورت کی مخصوص نفسیات کی تکنیک کو اِس افسانے میں استعمال کیا ہے اور پھر یہ کہ مصنف میڈیسن کے استعمال کی تکنیک کو اِس افسانے میں بروئے کار لایا ہے۔ اِس میں میڈیکل فکشن کا ٹچ ہے۔ اِس میں دوسری عالمی جنگ کا زمانہ، زخمی ہوں گے، ریڈ کراس کا عالمی اِدارہ ہے، کوڑھ کی بیماری ہے، بیماروں کے لیے الگ سے بستی ہے اور بیماری کی تشخیص و تفتیش کے لیے ڈاکٹرز ہیں۔ اُردو ادبیات اور ہندوستانی اور پاکستانی کلاسیکی لٹریچر میں یہ ایک نئی چیز ہے، جسے میڈیکل فکشن کہا جاتا ہے۔ جیسے اَمیتابھ گوش کی کتاب 'کلکتہ کروموزوم' ہے، یہ میڈیکل فکشن ہے۔ اب یہ بھی دیکھنے کی چیز ہے کہ کوڑھ کی بیماری ایک سے دوسرے میں اس طریقے سے منتقل ہو سکتی ہے؟ جیسے عائشہ نے فلپ کے جسم پر زخمی حصے پر جس جگہ پر بوسہ دیا تھا اور اُس میں بھی کوڑھ کی بیماری منتقل ہو گئی۔ کیا یہ میڈیکل سائنس کے نقطۂ نظر سے ثابت شدہ حقیقت ہے؟ کیا کوڑھ کی بیماری فزیکلی ٹچ کرنے کی وجہ سے ایک مریض سے دوسرے مریض میں منتقل ہو سکتی ہے؟

سُریندر پرکاش بہت بڑا رائٹر ہے، اُس نے یہاں پر کرسچین ٹچ کس مہارت اور قرینے کے ساتھ دیا ہے، جہاں فلپائن میں کوڑھ کی بستی بنائی گئی ہے تو اِسی طرح سے جو لپریسی ہے جو کوڑھ ہے، وہ حضرت عیسیٰ کو معجزہ عطا کیا گیا تھا کہ وہ کوڑھیوں کو شِفایاب کرتے تھے۔ وہ کوڑھ کے مریضوں کو ٹھیک کر دیتے تھے۔ وہ بھی کوڑھ کی بستیوں کا دورہ کرتے تھے اور وہاں پر کوڑھ کے مریضوں کو شِفا دیتے تھے اور پھر مسیحیت (کرسچینیٹی) میں پنَنس کا تصور ہے کیوں آپ اپنے کسی جُرم پر یا کسی گناہ پر یا کسی غلطی پر نادِم ہوں اور اُس کی تلافی کریں۔ یہاں افسانے کی پروٹیگنسٹ جب انگلینڈ جاتی ہے اور کوڑھ کی بیماری کے سبب فلپائن میں وِسٹن کے خاندان کے ساتھ ہی قیام پذیر ہوتی ہے تو وہ اپنے گناہ کی تلافی کر رہی ہے۔ یہ کرسچن تصور دیا ہے۔ یہ جِینز کا تصور افسانے کا حصہ بنایا گیا ہے۔ عائشہ کوڑھ کے مریضوں کے ساتھ رہ کر اُن کے ساتھ کام کر کے اپنے گناہ کی تلافی کر رہی ہے۔ ایک لحاظ

CC BY

سے وہ وہاں پر خود بھی پینَنس کر رہی ہے۔ وہ اُن پیننس میں بھی اُن کو مدد دے رہی ہے۔ پیننس کا تصورِ وِسٹن پر بھی عائد تو ہونا چاہیے، لیکن وہاں پر ایسا کچھ بھی نہیں ہے، وِسٹن اپنے کیے پر کہیں بھی خِفت محسوس نہیں کر رہا اور نہ ہی کہیں وہ اپنے کیے پر شدّت اور سچائی کے ساتھ نادِم ہے جب کہ عائشہ کے یہاں پیننس کا احساس عود کر آتا ہے اور یہ بھی ایک اہم عنصر ہے جو اُسے کہانی کا پروٹیگنسٹ بناتا ہے۔ بڑا کردار کون سا ہوتا ہے؟ وہ جو ایک بڑے نہج پر کھڑا ہو۔ باقی کردار اُس کے مقابلے میں اِسی لیے چھوٹے ہوتے ہیں کیوں کہ وہ پروٹیگنسٹ کی نہج سے بہت فاصلے پر ہوتے ہیں یا اُس نہج پر کھرے نہیں اُترتے۔ پروٹیگنسٹ اپنے اعمال و افعال میں بڑے کینوس کا حامل کردار ہوتا ہے، جیسا "اجنبی کہانی" کا مرکزی کردار عائشہ ہے۔ اُس نے انتقام تو لیا، اپنے محبوب کے قُرب کے احساس سے مجبور ہو کر اور پھر یہ کہ ایک عورت اپنا مرد کسی دوسری عورت کے بانٹتی نہیں ہے۔ وہ نفسیاتی طور پر بانٹ نہیں سکتی، لیکن عورت کی نفسیات میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مرد کو، اپنی پہلی محبت کو چھوڑتی بھی نہیں۔ وہ ایک ایسے لمحے کے لیے بھی تیّار ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مرد کو دوسری عورت کے ساتھ، اُس کے بچوں کے ساتھ بانٹ بھی لیتی ہے کیوں کہ وہیں پر وہ اپنی محبت کو جانچ لیتی ہے کہ میں اصل میں اُس بندے سے کیا چاہتی ہوں؟ میں اس کا ساتھ چاہتی ہوں اور یہاں پر تو یہ ہے کہ اُس نے بچے کو نقصان پہنچایا ہے بلکہ پوری فیملی کو نقصان پہنچایا ہے۔ اُس کی پیننس کا حصہ ہے کہ وہ اُس کے ساتھ رہے۔ یہ بھی اُس کے لیے ایک طرح کی تکلیف ہی ہے کہ وہ اپنے مرد کو دوسری عورت کے ساتھ دیکھے۔ اُس بندے کی فیملی ہو! اُس کے بچوں ہوں، اُن کی طرف التفات کرے۔ یہ بھی ایک لحاظ سے اُس کی سزا ہی ہے۔ عائشہ یہاں ایک کرائسٹ لائیک فِگّر بن گئی ہے۔ وہ کوڑھ کی بستی میں کسی کہنے پر نہیں گئی، وہ تو اپنی منشا سے کوڑھ کی بستی میں گئی ہے۔ وہ وولَنٹیر لی گئی ہے۔ وہاں پر وہ اپنے اعمال و افعال سے کرائسٹ لائیک فِگّر بن گئی ہے۔ کرائسٹ کس بات کا استعارہ تھا۔ قربانی کا استعارہ تھا، وہ انسانیت کے لیے ایثار اور قربانی کا شدّد کے ساتھ احساس رکھنے والا استعارہ تھا۔

گَلف ممالک میں پائپ لائنز کا کام تیل کی دریافت کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ ۱۹۳۸ء کے لگ بھگ دمام میں تیل نکالا گیا اور اُسی دور میں تیل کی پائپ لائنز پر کام شروع ہو گیا تھا۔ ایران میں بھی اسی دور میں تیل دریافت ہو چکا تھا۔ یوروپین اور امریکی کمپنیوں نے تیل نکالا اور تمام لوازمات پر منصوبہ بندی اور حکمتِ عملی تیّار کر کے

OPEN ACCESS

کام شروع کیا۔ ایران میں کس کمپنی نے تیل نکالا تھا اور تیل کی پائپ لائنز پر کس کمپنی نے کام شروع کیا تھا اور کام کو مکمل بھی کیا تھا، ایران میں ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ تیل نکالا گیا اور برطانیہ کی کمپنی جس کا نام "اینگلو پرشیئن" تھا، لیکن کہانی میں یہ سب حادثاتی کہنا چاہیے، یہ کہانی کی جان نہیں ہے۔ یہ ایک ضمنی بات ہے، بنیادی بات یا اہم بات اِس لیے بھی نہیں ہے کہ یہ تو ایک ذیلی واقعہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف واقعات کے ذریعے کہانی ارتقا کے مراحل طے کرتی ہے۔ تیل کی پائپ لائنز تو کہانی کو آگے بڑھانے کا ایک منطقی ذریعہ کہا جا سکتا ہے کہ مصنف اپنے متخیلہ کے ذریعے کچھ واقعات اور کچھ ایسے ہی حالات اور صورتِ حال کی تخلیق کے وسیلے سے معاملات کو آگے بڑھاتا ہے۔

اِس افسانے میں حاوی تھیم عورت اور مرد کی محبت ہی ہے اور اُس محبت سے منسلک جو دیگر معاملات ہیں، وہی ہیں، لیکن دوسری تھیم جو اس کے ساتھ جُڑی ہوئی ہے، وہ عورت کی اَپروچ اور اُس کا لَرننگ کا مقام، جہاں وہ کرائسٹ لائیک فِگّر بنتی ہے اور جہاں وہ انتقام کی آگ میں جل کر کُندن ہو جاتی ہے اور پھر وہ پیننس کی طرف آتی ہے۔

پِینَل کولونیز کیا تھیں؟ اُن کی وَرکنگ کیا ہوتی تھیں؟ لٹریچر میں اُن کو کیسے دِکھایا گیا؟ اور پھر کرائسٹ کی لائف کو اسٹڈی کرنا پڑے گا۔ افسانے کے آخر میں عائشہ کا کردار کرائسٹ لائیک فِگّر یعنی مانندِ عیسیٰ کئی ایک حوالوں کے ساتھ منظرِ عام پر آتا ہے، جب وہ اپنے دُکھ درد اور مصائب و آلام کو بُھلا کر اپنے کو انسانیت کے لیے وقف کر دیتی ہے، اور جب وہ یہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ وہ کوڑھ کے مریضوں کی خدمت میں اپنی باقی کی زندگی گُزار دے گی تو اُس صورت میں پیننس کے تصور کا پوری شدّت کے ساتھ احساس ہوتا ہے اور اب آخر میں عائشہ وہی کوالٹیز (اوصاف) ظاہر کر رہی ہے جو حضرت عیسیٰ کی کوالیٹیز (صفات) تھیں۔ خود کو انسانیت کے لیے وقف کر دینا۔ انسانیت کا استعارہ بن گئی ہے اور انسانیت ہی اُس کے لیے سب کچھ ہے۔

پورا وِسٹن خاندان اب اِس خطرناک مرض میں مبتلا ہو چکا تھا۔ جان وِسٹن کی درخواست پر اُسے، اُس کی بیوی اور اس کے بچوں کو فلپائن کے قریب کوڑھ کے مریضوں کی کالونی میں بھیجنے کا انتظام کیا گیا، لیکن عائشہ کو ایسی کوئی سہولت نہیں دی گئی۔ پھر بھی یہ عجیب اتفاق ہے کہ عائشہ نے وِسٹن خاندان کے ساتھ ایک ہی جہاز پر سفر کیا،

لیکن سفر کے دوران وہ کبھی ایک دوسرے سے نہ ملے۔ جَان اور مارتھا نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے باقی دن اِسی کالونی میں اپنے ساتھی مریضوں کی بھلائی کے کام کرتے ہوئے گزاریں گے۔ عائشہ بھی اُنھیں کے ساتھ ہے اور یہ سب لوگ اب ایک ساتھ زندگی گزار رہے ہیں![10]

سُریندر پرکاش کا طرزِ نگارش نہایت فطری ہے اور اُن کے اُسلوب میں دلچسپ، حیران کُن اور گرفت میں لینے والے متعدد عناصر و عوامل دیکھے اور محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ سُریندر پرکاش کے کردار نامیاتی صورتِ حال کے حامل ہیں، اُن کی اپنی اپنی آوازیں ہیں، خواہ وہ مثبت ہوں یا منفی نوعیت کی حامل ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ کرداروں کی نفسیات اور تقاضوں کے مطابق الفاظ کا استعمال نہایت بر محل اور موقع کی مناسبت سے کرتے ہیں، کہیں بھی وہ الفاظ کا زائد استعمال نہیں کرتے۔ اُن کے افسانہ "اجنبی کہانی" میں آنے والے تمام مراحل جن میں کہانی کا آغاز، عروج اور اختتام سبھی عناصر شامل ہیں، مذکورہ عناصر و عوامل قاری کی دلچسپی کو مہمیز عطا کرتے ہیں اور قاری کی ذہنی و فکری حوالے سے نشوونما بھی کرتے ہیں اور اُس کی فکر کو بالیدہ بھی کرتے ہیں۔ سُریندر پرکاش کے معاملے میں کہانی کُچھ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ حقیقت سے بھی کام لے سکتے ہیں، وہ اپنے متخیلہ سے بھی کام لیتے ہیں اور اپنے مخصوص اُسلوب سے بھی کام لیتے ہیں۔ اوہ میرے خُدایا! یہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟ اور مجھے ایسا کیوں نہیں سوچنا چاہیے؟ میں مسکراتا رہا اور سوچتا گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ میرے ذہن میں سوالات کو جنم دینے والا افسانہ ہے۔ یہ افسانہ شناخت کے بحران کے لیے کوئی مناسب اور موثر جواب بھی فراہم کر سکتا ہے، جس کا بین الاقوامی سطح پر موجودہ انسان کو سامنا ہے یا سامنا ہو سکتا ہے۔ اِس میں کوئی تجویز بھی ہو سکتی ہے۔ اِس میں زندگی کے لُطف و انبساط اور اذیّت کا حوالہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ انسانی طاقت کی حدود کو بھی نمایاں اور واضح کر سکتا ہے اور طاقت کے تضادات کو بھی واضح کر سکتا ہے۔ اِس میں سادہ (فلیٹ) اور پیچیدہ (راؤنڈ) کردار بھی ہو سکتے ہیں۔ جذبات و احساسات پر مبنی یا ایک پیچیدہ کہانی بھی ہو سکتی ہے۔ اِس میں کُچھ نہ کُچھ یقیناً غیر معمولی نوعیت کا حامل ہو سکتا ہے۔ سُریندر پرکاش ہمیں ایک خوشبو دار باغ کی طرف لے جا سکتا ہے یا ایک بدبُودار کُوڑے کے ڈھیر کی جانب بھی لے جا سکتا ہے جو قاری کو اُس کی گہری نیند سے بیدار کرنے کے لیے اُس کے بند نتھنوں کو بھی کھول سکتا ہے، لیکن جو کُچھ بھی ہو۔ میں پھر بھی "اجنبی کہانی" کو پڑھنا چاہوں گا جو کسی نہ کسی سطح پر ہم سب کی کہانی

CC BY

ہے۔ ایک تجسس اور کد و کاوش سے بھرپور کہانی موجودہ صورتِ حال میں ایک وُجود کو مکمل کرنے یا اس کا تکملہ نہ کرنے کی کہانی بھی ہو سکتی ہے۔

سُریندر پرکاش کا افسانہ "اجنبی کہانی" اپنے عنوان میں ہی کئی طرح کے بھیدوں کو ملفوف کیے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانی ذہن کئی ایک سوالات پر گہرائی و گیرائی کے ساتھ نہ صرف غور و فکر کرتا ہے بلکہ اُس کے سامنے اُس کی شناخت سے منسلک ایک بڑا سوال بھی جواب کا متلاشی و منتظر ہوتا ہے کہ میں کون ہوں؟ میری پہچان کیا ہے؟ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ میرے تعلقات کی نوعیت کس قسم کی حامل ہے ؟ اور میں کہاں کھڑا ہوں۔ مشرق اور مغرب کے درمیان کئی ایک حوالوں سے بُعد اور فاصلہ، وغیرہ وغیرہ۔

سُریندر پرکاش نے اپنے افسانہ "اجنبی کہانی" میں کئی ایک بڑے موضوعات کو باریک بینی کے ساتھ نہ صرف پیش کیا ہے بلکہ بعض کرداروں کی نفسیات اور پیچیدگیوں کو بھی قاری کے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور اُن کے سماجی حالات و واقعات اور صورتِ حال کے تسلسل کے نتیجے میں متعدد سوالات کو بھی اُبھارا ہے جو قاری سے گہرے غور و فکر کا تقاضا کرتے ہیں۔ انسانی نفسیات، انسانی رویوں اور سماجی اقدار سے منسلک سوالات کو بھی قاری کے سامنے رکھا ہے اور انسانی نفسیات سے جُڑے ہوئے متعدد مخفی پہلوؤں کو بھی کہانی کے کرداروں کے توسط سے اُبھارا ہے۔ اگرچہ افسانے کا آغاز تو عورت کی جمالیات سے ہی ہوا ہے اور پھر یہ کہ جیسے جیسے کہانی آگے بڑھتی ہے، انسانی زندگی، رویوں اور مختلف کرداروں کی نفسیات کے متعدد پہلو بھی قاری کے ذہن و فکر کے بند گوشوں کو نہ صرف کھولتے ہیں بلکہ قاری کی ذہانت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی کرتے ہیں اور قاری کے ذہن میں کئی ایک سوالات کو بھی جنم دیتے ہیں۔ زیرِ نظر افسانہ "اجنبی کہانی" کی پروٹیگنسٹ عائشہ کی خوب صورتی سے کہانی کا آغاز ہوتا ہے مگر مآلِ کار وہ اُلجھنوں کے دام میں پھنستی ہی چلی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ اُس کا ایک غلط فیصلہ اُسے مصائب و مسائل کی دَلدل میں نہ صرف دھکیل دیتا ہے بلکہ اُسے زندگی راستہ ہی نہیں دیتی۔ اب یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ انسان منتقم مزاجی کے رویے کو کب اور کس طرح کی صورتِ حال میں اپنی نفسیات کا جُزوِ لاینفک بنانا شروع کرتا ہے۔ اِس سوال کا جواب افسانے کی پروٹیگنسٹ عائشہ کی زندگی سے منسلک صورتِ حال اور حالات و واقعات سے ہی آشکار ہو جاتا ہے۔ افسانہ نگار نے کہانی کے آغاز میں ہی ایک طرف تو کہانی کی

CC BY

پروٹیگنسٹ کی خوب صورتی کو آئینہ کیا ہے تو ساتھ ہی اپنی منزلِ مقصود یعنی اپنی محبت کو پانے کی للک میں اُس کی منتقم مزاجی اور انتقام کی نفسیات کو بھی موضوع بنایا گیا ہے، لیکن کوئی بھی خوف ناک اور بھیانک صورتِ حال علّت و معلول کے رشتے کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ یہاں بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ کہانی کے آغاز میں ہی کہانی کی پروٹیگنسٹ کو ذہنی و فکری سطح پر معمول کی زندگی گزارنے والی عورتوں سے جُداگانہ طریق کی حامل ظاہر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ عائشہ کی کہانی کو ایک افسانے جیسی چیز کے ساتھ بھی تعبیر کیا گیا ہے اور ساتھ پیراڈوکس کی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے، کہانی کو ایک اور کردار ڈاکٹر جارج ساوا کی یادداشتوں اور ذاتی تجربات کے نتیجے کے طور پر آگے بڑھایا گیا ہے اور پروٹیگنسٹ کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کو ایک خوف ناک حقیقت سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں فکشن نگار کے متخیلہ کی معجز نگاری کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، وہ اِس لیے کہ افسانہ نگار معمول کے کہانی کار تو ہیں نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فکشن رائٹر کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے ایک اور کردار تخلیق کرتے ہیں اور اُس کردار کا نہایت اختصار کے ساتھ تعارف کرواتے ہوئے، کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنے قاری کو کئی ایک لحاظ سے انسانی ثقافتوں اور تاریخ کی غواصی بھی کرواتے ہیں اور یورپ کی تاریخی اور سماجی صورتِ حال بھی قاری کے سامنے رکھتے ہیں۔ زار کی بادشاہت اور اُس عہد کی جبریت کو بھی قاری کے سامنے بغیر کسی کمنٹ کے رکھتے ہیں اور روس کے آخری بادشاہ زار کا کس طریقے کے ساتھ اشتراکیت پسندوں نے دھڑن تختہ کیا تھا اور زار کی سپاہ سے منسلک ڈاکٹر جارج ساوا کس طریقے سے روس کو خیرباد کہہ کر یورپ کے متعدد دیگر ممالک کی خاک چھانتے ہوئے، آخرِکار انگلینڈ کو اپنا مستقل مستقر بناتے ہیں اور تقدیر کی مہربانی سے فرانس، جرمنی، اٹلی اور پھر بعد میں دوسری عالمی جنگ کے بعد کے دور تک برطانیہ ہی میں اپنے طبی فرائض انجام دیتے ہیں اور ناقابلِ علاج بیماریوں کے بھی علاج کے لیے تگ و دو کرتے ہیں اور پھر اُن کی زنبیل سے وِسٹن جیسا کردار بھی برآمد ہوتا ہے جو مشرقِ وسطیٰ کے کئی ممالک کی خاک چھاننے کے بعد واپس انگلینڈ پہنچتا ہے اور پھر ایک بار پھر سے اُس کا سامنا افسانے کی پروٹیگنسٹ عائشہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

CC BY

کہانی بہت ہی سادہ پلاٹ کی حامل نہیں ہے بلکہ پیچیدہ پلاٹ کی عکاسی کرتی ہوئی کہانی ہے، جس کی سیٹنگ میں مشرق اور مغرب دوں وں خطے اور دونوں کے کرداروں کی نفسیات اور انسانی رویے سے قاری کا سابقہ پڑتا ہے، کچھ اس طرح کا پیش منظر و پس منظر ہے اور اس کے بعد کہانی ایک مرد کردار وِسٹن کے ذریعے آگے بڑھتی ہے جو انگلینڈ کا باشندہ ہے اور تیل کی پائپ لائنز کے کام کے سلسلے میں مشرقِ وسطیٰ میں کام کر رہا ہے اور اُس کردار کا نام جَون وِسٹن ہے۔ اُس کے اور ایک اور نیٹل لڑکی جو وِسٹن سے محبت کرتی ہے، جس کا نام عائشہ ہے، اُس کے توسط سے کہانی آگے بڑھتی ہے اور انسانی نفسیات اور انسانی رویوں اور سوچ کی متعدد پیچیدگیوں اور اُلجھاووں کو آئینہ کرتی چلی جاتی ہے، جہاں الم ناک صورتِ حال نقطۂ اختتام کی جانب لے اپنے قاری کی اُنگلی پکڑ کر اُسے ایک عجیب و غریب بلیک ہول کی جانب لے جاتی ہے اور آخرِ کار مشرق اور مغرب کی فکری آویزش کے بعد کہانی میں آخری موڑ اُس وقت آتا ہے، جب عورت کی نفسیات کی سُوجھ بُوجھ کے حوالے سے ایک نہایت اہم سوال پیدا کیا گیا ہے کہ عورت کی نفسیات کو کون سمجھا ہے۔ نفسیات کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو عورت کا تعلق دُنیا کے خواہ کسی بھی خطے سے ہو! اُس کا اپنا ہی ایک نفسیاتی نظام ہے، جس کی بہر حال ایک مسلمہ اہمیت بھی ہے اور حیثیت بھی ہے، لیکن آخری نتیجے کے طور پر عورت کی نفسیات سے کون انکار کر سکتا ہے!

حوالہ جات

[1] ۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۰

[2] ۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۲

[3] ۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۴۸

[4] ۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۵

[5] ۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۶

[6] ۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۸

[7] ۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۴

[8] ۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۰

CC BY

[9]۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۰

[10]۔ سُریندر پرکاش، سطور، مشمولہ: 'اجنبی کہانی'، مرتبہ: کمار پاشی، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۱

CC BY